محمد اسحاق بھٹی

شاہ محمد اسحاق دہلویؒ

دیارِ ہند کی عظیم المرتبت شخصیتوں میں حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی کا اسمِ گرامی صفحاتِ تاریخ میں ہمیشہ نقش رہے گا۔ وہ شیخِ وقت، امامِ عصر، عالمِ اجلّ، محدثِ عالی قدر اور فقیہہ نام دار تھے۔ زہد و تقویٰ، اتباعِ سنت اور ورع و عبادت میں بھی یگانۂ روزگار تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے اور خلیفہ تھے۔ نسباً فاروقی تھے۔ مختصر سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین فاروقی دہلوی۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی کی دو صاحب زادیاں تھیں۔ ایک مولانا عبدالحی صدیقی بڑھانوی کے عقد میں آئیں اور ایک مولانا محمد افضل فاروقی دہلوی کے۔ یہ مولانا محمد افضل کی زوجۂ محترمہ سے صاحب ترجمہ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق ظہور میں آئے جو آگے چل کر علم و عمل اور فضل و کمال میں فریدالدہر قرار پائے۔

مولانا محمد اسحاق کی ولادت ۸۔ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ اور ایک روایت کے مطابق ۸۔ ذی الحجہ ۱۱۹۷ھ کو دہلی میں ہوئی۔ نشو و نما اور تربیت اپنے جلیل القدر نانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی نگرانی میں پائی۔ کتب صرف اور کافیہ تک علم نحو کی کتابیں مولانا عبدالحی بڑھانوی سے پڑھیں۔ باقی درسی کتابوں کی تکمیل شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین کے حلقۂ درس میں کی۔ علم حدیث کے ان دونوں بزرگوں کے علاوہ شاہ عبدالعزیز کے سامنے بھی زانوئے شاگردی تہہ کیا اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد حدیث کی سند ان سے لی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کے نرینہ اولاد نہ تھی، وہ اپنے اس نواسے پر انتہائی شفقت فرماتے اور اسے بیٹے کی حیثیت دیتے تھے۔ کتابوں، مسودوں اور متاعِ علمی کی صورت میں جو کچھ بھی ان کے پاس تھا نواسے کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہی ان کی مسند پر بیٹھے اور شائقینِ علم حدیث کی کثیر تعداد کو مستفید فرمایا۔ شاہ صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ان کو تدریسِ علم حدیث پر مامور فرما دیا تھا۔ چنانچہ پورے بیس سال انھوں نے شاہ صاحب کے سامنے اور ان کی نگرانی میں یہ اہم خدمت انجام دی۔

اس محدثِ جلیل نے ۱۲۴۰ھ میں ارضِ حجاز کا عزم کیا اور حج و زیارت کی سعادت حاصل کی - اس زمانے میں مکہ مکرمہ میں شیخ عمر بن عبدالکریم (متوفی ۱۲۴۷ھ) کا سلسلۂ درسِ حدیث جاری تھا، ان سے ۱۲۴۱ھ میں سندِ حدیث لی -

بعد ازاں اپنے وطن ہندوستان کو مراجعت فرمائی اور پہلے کی طرح دہلی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی مسندِ درسِ حدیث پر رونق افروز ہوئے - حج سے واپسی کے بعد پورے سولہ سال یہ عظیم الشان خدمت انجام دیتے رہے - اس اثنا میں بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا اور حصولِ علم حدیث سے مشرف ہوئے -

پھر ۱۲۵۸ھ میں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد یعقوب اور دیگر افرادِ خانہ کے ساتھ ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ کے لیے رختِ سفر باندھا اور فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد مستقل طور پر وہیں سکونت اختیار کر لی -

اس زمانے میں مغلوں کا آخری حکمران بہادر شاہ ظفر ہندوستان کا بادشاہ تھا - اس کی بادشاہت برائے نام تھی، اصل حکومت انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی - بہادر شاہ، اس کے امرا و وزرا، دہلی کے علما اور وہاں کے سرکردہ لوگوں نے ان کو ہجرت سے روکنے کی کوشش کی اور دہلی میں سکونت پذیر رہنے پر زور دیا، لیکن وہ نہیں مانے - اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان پر عملاً انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور شاہ عبدالعزیز ایک فتوے کے ذریعے اس ملک کو دارالحرب قرار دے چکے تھے - پھر شعائرِ اسلام میں اضمحلال و ضعف واقع ہو چکا تھا، بدعات میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اور رسومِ کفر نئی نئی شکلوں میں سامنے آ رہی تھیں - ان حالات میں ان کے لیے اس ملک میں سکونت اختیار کیے رکھنا ممکن نہ رہا تھا - چنانچہ انھوں نے مع اہل و عیال دہلی سے کوچ کیا اور مکہ معظمہ جا کر متوطن ہو گئے -

مولانا ممدوح علمی اعتبار سے ہندوستان کی آبرو اور فضل و کمال میں اپنی مثال آپ تھے - نہایت متبعِ سنت، انتہائی پرہیزگار، فرشتہ سیرت، بلند اخلاق اور عمدہ کردار تھے - قامع بدعت اور ماحی سنتِ نبوی تھے - زبدۃ المحدثین اور فخر علمائے دین تھے - دن رات تدریس حدیث اور عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے - نیکی اور تدین کا یہ عالم تھا کہ شاہ عبدالعزیز نے ان کو اپنا امامِ جماعت مقرر کر رکھا تھا اور وہ عین سنت کے مطابق نماز پڑھاتے تھے -

شاہ صاحب اپنے بلند مرتبت بھتیجے مولانا محمد اسماعیل اور عالی قدر نواسے مولانا شاہ محمد اسحاق سے بدرجہ غایت مشفقانہ برتاؤ کرتے اور انھیں دیکھ کر قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرماتے ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَی الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط[۱] (ابراہیم : ۳۹)

"یعنی سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے ۔"

شاہ صاحب اپنے اس نواسے کے زہد و عبادت پر انتہائی خوش ہوتے اور عالم مسرت میں فرمایا کرتے "میری تقریر اسماعیل نے اور تحریر رشید الدین نے لے لی اور تقویٰ اسحاق کے حصے میں آیا ۔"[۲]

دستِ سخا اس قدر وسیع تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا مستحقین اور اہلِ حوائج میں تقسیم فرما دیتے ۔ ہندوستان میں بھی یہی حال رہا اور سرزمین حجاز میں بھی غربا و مساکین اور بیوہ عورتوں کی امداد فرماتے رہے ہندوستان سے جانے والے حجاج کی ضرورتیں پوری کرتے اور ان کو اپنے ہاں مہمان ٹھہراتے ۔ نہایت متوکل علی اللہ تھے ۔ دنیا کے مال و دولت سے کبھی تعلق نہ رکھا ۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ قابلِ بیان ہے جو ارواحِ ثلاثہ میں مرقوم ہے اور وہ یہ ہے :

تحصیل سکندر آباد میں ایک بہت بڑا گاؤں "حسن پور" تھا ۔ کسی زمانے میں یہ گاؤں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کی ملکیت تھا ۔ یہ دونوں بھائی انتہا درجے کے سخی اور فراخ حوصلہ تھے ، اور اسی وجہ سے اکثر تنگ دست رہتے تھے ۔ تنگ دستی کی وجہ سے بعض دفعہ ملول و مغموم بھی ہو جاتے تھے ۔ واقعہ کے راوی مظفر حسین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں نے دیکھا کہ دونوں بھائی نہایت ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہیں ۔ سوچا کہ خوشی کی وجہ پوچھوں ، لیکن جرأت نہ ہوئی ۔ بالآخر مولانا محمد اسحاق سے پوچھ ہی لیا ۔ متعجبانہ لہجے میں فرمایا ۔ "تمھیں نہیں معلوم ؟" عرض کیا "نہیں مجھے کچھ علم نہیں ۔" فرمایا "ہمارا گاؤں حسن پور ضبط ہو گیا ہے ۔ یہ خوشی اسی کی ہے ۔ جب تک گاؤں ہمارے قبضے میں تھا ، اللہ پر پورا توکل نہ تھا ، اب صرف اسی پر توکل اور اسی پر بھروسا ہے ۔"[۳]

---

[۱] الحیات بعد الممات ص ۴۶

[۲] ایضاً ص ۴۷

[۳] ارواحِ ثلاثہ ص ۱۲۳

شانِ عزیمت اور توکلِ الٰہی کی یہ بہت بڑی مثال ہے۔ اس مادی دور میں اس قسم کی مثال پیش کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

مولانا کوئی مقرر یا خطیب نہ تھے۔ لیکن کلمۂ حق کہنے میں انتہائی جری اور پُرجوش تھے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک انگریز پادری دلّی آیا جو بہت لسّان تھا۔ اس نے آتے ہی ایک ہنگامہ بپا کر دیا اور دلّی کے علما کو مناظرے کی دعوت دی۔ اس دور کے جو علما خاندانِ شاہ عبدالعزیز اور مولانا شاہ محمد اسحاق کے مخالف تھے، اُنھوں نے اس پادری سے کہا کہ مولانا محمد اسحاق کو مناظرے کی دعوت دی جائے۔ مولانا نہ تو شاطرانہ اِیچ پیچ جانتے تھے، نہ اُنھیں بحث و مجادلے کی عادت تھی، نہ زیادہ باتیں کرتے تھے اور پھر زبان میں کچھ لکنت بھی تھی، اس لیے ان کے مخالف علما کا خیال تھا کہ یہ چرب زبان اور لسّان پادری ان کو ضرور مات دے گا اور اس طرح ان کی سبکی ہوگی۔

پادری نے ان کو دعوتِ مناظرہ دی تو اُنھوں نے فوراً قبول فرمالی۔ مولانا فریدالدین مراد آبادی، مولانا محمد یعقوب اور نوّاب رشیدالدین خاں نے ان کو مشورہ دیا کہ خود مناظرہ نہ کریں، ہم میں سے کسی کو اپنا نمائندہ یا وکیل مقرر کر لیں جو ان کی طرف سے مناظرہ کرے۔ فرمایا پادری نے مجھے دعوتِ مناظرہ دی ہے، لہٰذا میں ہی مناظرہ کروں گا، کسی کو وکیل یا نمائندہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد مناظرے کی تاریخ اور وقت مقرر ہو گیا اور دلّی کے لال قلعے میں مناظرہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ وقتِ مقررہ پر بے شمار لوگ قلعے میں پہنچ گئے اور مجلسِ مناظرہ منعقد ہوئی۔ پادری صاحب سامنے آئے تو حواس باختہ ہو کر کانپنے لگے۔ اسلام یا مولانا کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکے۔ کچھ دیر یہی صورتِ حال رہی اور پادری صاحب نے کوئی بات نہ کی تو مولانا نے پادری سے فرمایا۔ "آپ کچھ فرمائیں گے یا میں عرض کروں؟" اس نے کہا "آپ ہی فرمایئے"۔ مولانا نے اسلام کی حقانیت پر دلائل دیے اور عیسائیت کی تردید فرمائی۔ مولانا کی تقریر ختم ہو گئی، لیکن پادری خاموش رہا۔ نہ اس نے عیسائیت کا دفاع کیا، نہ اسلام کی مخالفت کی اور نہ مولانا کے دلائل کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نکالا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قوتِ گویائی چھین لی ہے۔ اس کے سکوت سے ان لوگوں کو سخت تکلیف ہوئی جو مولانا کے خلاف تھے اور ان کو شکست دلانے کے خواہاں تھے۔

تقریر ختم کر کے مولانا نے مخالف اور موافق حاضرین کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے باقاعدہ

بائیبل پڑھی ہے۔ اگر پادری میدانِ مناظرہ میں اُتر آتا اور سلسلۂ کلام آگے بڑھتا تو اللہ تعالیٰ اس کے مقابلے میں ضرور میری مدد فرماتا۔ یہ بھی فرمایا کہ " اگر پادری کے مقابلے میں اسحاق کو شکست ہو جاتی تو کوئی افسوس کی بات نہ تھی، مجھ کو علم کا دعویٰ ہی کب ہے، لیکن اسلام تو سب کا ہے، میرا بھی اور میرے مخالفوں کا بھی۔ اگر اس موقعے پر میں شکست کھا جاتا تو یہ تنہا میری شکست نہ ہوتی بلکہ اِسے دلّی کے تمام مسلمانوں کی شکست سمجھا جاتا۔" فرمایا " اللہ تعالیٰ اپنے دین کی ضرور مدد فرماتا ہے۔ آج بھی اس نے پادری کے مقابلے میں اسلام کی مدد فرمائی۔ پادری کا خاموش رہنا اسلام کی مدد ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔"[۵۴]

شاہ محمد اسحاق کے تلامذہ کا حلقہ نہایت وسیع تھا۔ دہلی میں بھی ان سے بے شمار حضرات نے استفادہ کیا۔ اس زمانے میں ہندوستان اور عرب و عجم کے بہت سے علما و طلبا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحصیل علم حدیث کی۔ قیامِ حجاز کے دور میں بھی ان کا دائرۂ تدریس وسعت پذیر تھا۔ اس میں افریقہ، مصر، عرب، ترکی، ہندوستان اور افغانستان کے علاقوں کے تشنگانِ علم بھی شامل ہوئے اور ان سے فیض حاصل کرنے کی سعادت حاصل کی۔

بلاشبہ علم کا یہ دریا دہلی سے جاری ہوا اور بحرِ ہند میں جا گرا، پھر اس کی موجیں بحرِ عرب سے ہم آغوش ہو کر مکہ معظمہ تک پہنچیں اور چار سال تک صحرائے عرب کو سیراب کرتی رہیں۔ ہند اور عرب کے جو تشنہ لب اس سے سیراب ہوئے ان کی وسیع فہرست میں مندرجہ ذیل حضرات کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد عمر بن مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی، شیخ محمد انصاری، مولانا کرامت علی اسرائیلی، مولانا عبدالخالق دہلوی، مولانا صفت اللہ پانی پتی، مولانا سید نذیر حسین دہلوی، مولانا محمد تھانوی، مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی، مولانا محمد ابراہیم نگر نہسوی، مولانا علی احمد ٹونکی، نواب قطب الدین خاں دہلوی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، مولانا عالم علی مراد آبادی، مفتی عنایت احمد، مولانا محمد حازمی عربی، مولانا سبحان بخش شکارپوری، مولانا عبداللہ سندھی، مولانا مفتی عبدالقیوم بھوپالی، مولانا قاری کرم اللہ دہلوی، حافظ محمد فاضل سورتی، مولانا احمد علی سہارن پوری، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی،

---

۵۴ ارواح ثلاثہ، ص ۱۳۲، ۱۳۳

مولانا نور الحسن کاندھلوی، حافظ محمد جون پوری دہلوی، مولانا رستم علی خاں دہلوی، مولانا بہاء الدین دکھنی۔

یہ چند بزرگوں کے اسمائے گرامی ہیں، سب کا شمار حدِ امکان سے باہر ہے۔ ان کے تلامذہ نے بھی آگے چل کر اصحابِ علم کو خوب مستفید فرمایا اور جگہ جگہ درس و تدریس کے حلقے قائم کیے۔ ان میں دو بزرگ وہ ہیں جو ان کے صحیح جانشین ہوئے اور جن کے چشمۂ فیض سے لاتعداد حضرات نے اپنی علمی پیاس بجھائی، وہ ہیں مولانا عبد الغنی مجددی دہلوی اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی۔ مولانا عبد الغنی تو دہلی سے ہجرت کر کے حجاز چلے گئے تھے، لیکن سید نذیر حسین نے دہلی ہی کو اپنا مسکن قرار دیے رکھا۔ سید نذیر حسین نے اس فتوے پر بھی دستخط کیے جس میں ۱۸۵۷ء کی جنگ کو انگریزوں کے خلاف جہاد قرار دیا گیا تھا، پھر اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ ان کا حلقۂ درسِ حدیث نہایت وسیع تھا اور ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہے۔ عرب و عجم اور ہندوستان کے لاتعداد اہلِ علم نے ان سے مستفید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ اسی طرح مولانا عبد الغنی مجددی دہلوی کے تلامذہ کی تعداد کا تعین کرنا بھی ممکن نہیں۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی کے یوں تو تمام شاگرد اپنی اپنی جگہ ایک خاص مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، لیکن ان دونوں ــــ مولانا عبد الغنی مجددی اور سید نذیر حسین دہلوی ــــ نے جو خدمات انجام دیں ان میں کوئی ان کا حریف نہیں۔ ان کو اللہ نے اس درجے شرف عطا فرمایا کہ برصغیر کے تمام اہلِ علم کا سلسلۂ سند ان کی وساطت سے شاہ محمد اسحاق اور پھر شاہ عبد العزیز اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک منتہی ہوتا ہے۔

شاہ محمد اسحاق دہلوی کی جلالتِ علم اور حدیث و فقہ میں ان کی دقتِ نظر کا یہ عالم تھا کہ ان کے استاد شیخ عمر بن عبد الکریم مکی فرمایا کرتے تھے۔

قد حلت فیہ برکۃ جدہ الشیخ عبد العزیز الدھلوی۔ [۵]

"ان میں ان کے نانا شیخ عبد العزیز محدث دہلوی کی برکتِ علمی حلول کر گئی ہے۔"

مکہ مکرمہ کے اس دور کے ممتاز عالم شیخ عبد اللہ سراج مکی (متوفی ۱۲۶۴ھ) نے ان کو غسل دیا۔ وہ غسل دیتے ہوئے فرماتے تھے۔

---

۵ الحیات بعد الممات ص ۴۶

واللہ انہ لوعاش وقرأت علیہ الحدیث طول عمری ما نلت ما نالہ۔[۵۶]

"بخدا اگر وہ زندہ رہتے اور میں تمام عمر ان سے حدیث پڑھنے میں صرف کر دیتا تو اس مرتبے کو نہ پہنچ پاتا جس کو وہ پہنچ چکے تھے۔"

ان کی پوری زندگی علم حدیث کی تدریس میں گزری۔ لکھنے کا موقع بہت کم ملا۔ انھوں نے مختلف سوالوں کے جواب میں فقہی نوعیت کے جو فتوے تحریر کیے، ان کے علاوہ ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کا پتا چل سکا ہے۔

۱۔ مائتہ مسائل

۲۔ مسائل اربعین

۳۔ تذکرۃ الصوم

مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی نے ستر برس کی عمر پاکر ماہ رجب ۱۲۶۲ھ کو مکہ معظمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔[۵۷]

---

۵۶ الحیات بعد الممات ص ۴۶

۵۷ آثار الصنادید ص ۲۷۵